(غلام گردش)

رانی بی بی کو انصاف کون دلوائیگا؟

رانی کی عمر صرف تیرہ برس تھی۔ گڑیوں سے کھیلنے کی عمر۔ مگر غربت ایک ایسی بلا ہے جو انسان کے وجود سے بچپن، جوانی یا کوئی بھی عمر روند کر نکال دیتی ہے۔ رانی کے گھر کے بھی ایسے ہی حالات تھے۔ دوپہر کا کھانا ہوتا تو رات کو چولہا بند رہتا تھا۔ رانی ایک ایسی ہنس مکھ بچی تھی، جو گلی میں بچوں کے ساتھ کھیلتی رہتی تھی۔ ہنستی رہتی تھی۔ آنے والے وقت سے مکمل طور پر بے خبر۔ والدین نے تیرہ سال کی عمر میں اسکی شادی کر دی۔ غریب کی شادی بھی کیا ہوگی۔ چھوٹی سی بچی۔ ایک ہی دن میں عمر کی تکلیف دہ دہلیز پار کر کے عورت بن گئی۔ خاوند بھی مزدوری کرتا تھا۔ ویسے فکر معاش ہر جذبہ کو عفریب کی طرح کھا جاتی ہے۔ بلند بانگ اخلاقی قدریں، کردار کی بلندی، راست بازی سب کچھ بھرے پیٹ سے ہی منسلک ہیں۔ مفلوک الحالی تمام اخلاقیات کو اپنی تپش سے چند لمحوں میں پگھلا دیتی ہے۔ ایک دن، اپنے ماں باپ کے گھر آئی ہوئی تھی۔ شائد دو تین دنوں کیلئے۔ یک دم اطلاع ملی کہ اسکا خاوند قتل ہو گیا ہے اور کسی نے لاش کو مٹی میں گاڑ دیا تھا۔ جو پولیس نے برامد کر لی۔ یہاں سے پاکستان کا سزا اور جزا کے نظام کا وہ چہرہ نظر آتا ہے جس سے خدا، دشمن کو بھی محفوظ رکھے۔ مگر حقیقت میں اس ملک کے بدنصیب شہریوں میں سے کوئی بھی اس سفاک نظامِ عدل کی بے عدلی سے محفوظ نہیں ہے۔ اس نظام کی ایک سیڑھی پولیس، دوسری جیل اور تیسری عدالتیں ہیں۔ ویسے اس بدبودار اور ادنیٰ نظام میں سب کچھ ہے مگر انصاف نہیں ہے۔

پولیس نے رانی سمیت پورے خاندان کو گرفتار کر لیا۔ والد، والدہ اور بھائی سب پابندِ سلاسل ہو گئے۔ شبہ تھا کہ ان لوگوں نے مل جل کر عداوت میں رانی کے خاوند کو قتل کیا ہے۔ رانی نے کبھی بھی اپنے خاوند کی برائی نہیں کی تھی۔ آج بھی وہ یہی کہتی ہے کہ وہ ایک اچھا انسان تھا۔ آنے والے واقعات انتہائی ظالمانہ اور آسیب زدہ تھے۔ رانی کی ماں کو چھ ماہ جیل میں رکھنے کے بعد آزاد کر دیا گیا۔ والد اتنا خوش قسمت نہیں تھا۔ چند سال بغیر کسی قصور کے جیل میں رہا اور وہاں ٹی بی کی وجہ سے فوت ہو گیا۔ رانی کو اجازت نہیں دی گئی کہ والد کی آخری رسومات میں شامل ہو سکے۔ یہ تو امیر لوگوں کے چونچلے ہیں۔ بڑے سیاستدانوں کے شکوے ہیں کہ انہیں اپنے والدین یا بیوی کی تدفین میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ حقیقت میں ہمارے ملک میں پابندِ سلاسل لاکھوں انسان، اس اخلاقی سہولت کے متعلق بھرپور طریقے سے بے بس ہیں۔ عزیز مر جاتے ہیں اور وہ سلاخوں سے سر مار مار کر روتے رہتے ہیں۔ رانی کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ ہونا بھی چاہیے تھا۔ اسلیے کہ اصل جرم تو غربت ہے۔ جیل میں اسکے بھائی کو بھی ٹی بی ہو گئی۔ پندرہ سال، بغیر کسی جرم کے وہ بدقسمتی کا دیوتا، جیل میں رہا۔ جب باہر آیا تو تھوڑے دن میں وہ بھی فوت ہو گیا۔ اب رانی بی بی کی آنکھوں میں آنسو نہیں آتے تھے۔ اسے لگتا تھا کہ وہ جیل میں ہی پیدا ہوئی ہے اور یہیں اسکی قبر کھود دی جائیگی۔ عام زندگی اسے قطعاً یاد نہیں تھی۔ روزانہ صبح چار بجے اُٹھتی تھی۔ سینکڑوں قیدیوں کا کھانا بناتی تھی اور فرش صاف کرتی تھی۔ کام کر کر کے اسکی انگلیوں کی جلد ختم ہو گئی۔ ہاتھ میں سوراخ ہو گئے۔ مگر جیل کا عذاب جاری رہا۔ 2001 میں سیشن کورٹ نے اسے عمر قید کی سزا دیدی۔ جب سزا سنائی گئی تو رانی بالکل نہیں روئی۔ اسلیے کہ وہ غم کے جذبے سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ اسکی زندگی ایک جانور کی سطح پر گزرتی جا رہی تھی۔ وہی جیل کے باورچی خانے میں

کھانا بنانا اور جیل کے لمبے لمبے برامدوں کی جھاڑ پونچھ۔ اسکے پاس وکیل کرنے کیلئے بھی پیسے نہیں تھے۔ دن، مہینے بنتے گئے اور مہینے سالوں میں تبدیل ہوگئے۔ قانون کے مطابق، جیل سپریڈنٹ نے اسکی اپیل کو ہائیکورٹ بھجوانا تھا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ کونسی ڈیوٹی اور کونسا قانون۔ انیس برس گزر گئے۔ دو دہائیوں کے قریب۔ ہاں، ایک قانون اور بھی ہے۔ بڑا معصوم سا۔ ایک جج کو ہر ماہ جیل کا معائنہ کرنا ہوتا ہے۔ قیدیوں کے مسائل پوچھنے ہوتے ہیں۔ انیس سال میں سینکڑوں بار، جج صاحبان، جیل آئے اور پتہ نہیں کیا چیک کر کے چلے گئے۔ کسی بھی منصف نے رانی سے یہ نہیں پوچھا کہ عمر قید کے خلاف، اسکی اپیل عدالت عالیہ میں کیوں نہیں بھجوائی گئی۔

2014 میں ایک وکیل کسی خیراتی ادارے کی طرف سے جیل آیا ہوا تھا۔ اتفاق سے رانی بی بی سے ملاقات ہوگئی۔ بدقسمت لڑکی، جواب ادھیڑ عمر عورت بن چکی تھی، اسکی کہانی سنکر پریشان ہوگیا۔ اس وکیل نے رانی بی بی کی اپیل ہائیکورٹ میں بغیر معاوضہ کے دائر کردی۔ ان عدالتوں میں، جہاں، وقت کے ہر لمحہ میں لوگوں کے کرب اور دکھ انصاف کیلئے فریاد کر رہے ہوتے ہیں۔ 2017 میں رانی بی بی کی اپیل کا فیصلہ ہوا۔ اسکو قتل کے مقدمے سے بری کر دیا گیا۔ جج نے فیصلے میں لکھا کہ وہ ''رانی کے ساتھ، اس ظلم کے متعلق مکمل طور پر بے بس ہے۔ عدالت اسے کچھ بھی نہیں لوٹا سکتی۔ مگر ابھی بہت کچھ باقی تھا اور شائد ہے''۔ Foundation for Fundamental Rights نامی ایک تنظیم نے رانی کے متعلق ہائیکورٹ میں ایک کیس دائر کیا کہ اس بدقسمت کو انیس برس، غلط طور پر جیل میں رکھا گیا ہے۔ لہذا اسے کفارے کے طور پر معاوضہ دیا جائے۔ یہ کیس پنجاب حکومت کے خلاف دائر کیا گیا ہے۔ فیصلہ کب ہوتا ہے، اسکے متعلق کچھ بھی کہنا عبث ہے۔ جب رانی بی بی سے پوچھا گیا تو اسکا جواب حد درجہ سادہ تھا۔ بس اتنا کہ وہ گھر کا تھوڑا سا سامان خرید لے۔ دو چار بستر اور چار پائیاں لے لے۔ رانی جب جیل سے باہر آئی تو والدہ نے اسکی شادی ایک دیہاڑی دار مزدور سے کروادی۔ رانی اپنے سسرال میں تکلیف دہ زندگی گزار رہی ہے۔ روز طعنے سننے پڑتے ہیں کہ وہ ایک سزا یافتہ خبیث عورت ہے۔ کوئی جہیز بھی لیکر نہیں آئی۔ رانی، خدا سے فریاد کرتی ہے کہ اسے دوبارہ جیل بھیج دے۔ کیونکہ وہاں اسے لوگ طعنے تو نہیں دیتے تھے۔ مسلسل ظلم نے رانی کو اَز حد چڑ چڑا بنا دیا ہے۔ والدہ کہتی ہے کہ تمہاری زبان میں شیطان گھس آیا ہے۔ اس بدقسمت ماں کو یہ نہیں پتہ کہ ناانصافی اور وہ بھی دو دہائیوں کی، انسان کی زبان تو کیا، اسکی روح تک کو کرچی کرچی کر دیتی ہے۔ رانی، سرگودھا کے ایک گاؤں مڈھ رانجھا میں زندگی کو دھکا دینے پر مجبور ہے۔ پنتیس سالہ رانی سے Thomson Reuters Foundation نے انٹرویو کیا اور اسکے ساتھ ہونے والے سرکاری جبر کو زوخین ابراہیم نے اپنے قلم کے ذریعے دنیا کے سامنے آشکارہ کیا۔ پوری دنیا میں رانی بی بی کے ساتھ ہونے والے ظلم کی گونج سنائی دی۔ مگر ان سب عناصر سے بے خبر رانی بی بی اب لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہے۔ اس سے کچھ پوچھا جائے تو خاموش ہو جاتی ہے کچھ نہیں کہتی۔ اب تو اسکے آنسو بھی خشک ہو چکے ہیں۔

یہ سچی مگر تلخ کہانی ہمارے نظامِ عدل کیلئے ایک تازیانہ کا درجہ رکھتی ہے۔ متعدد سوالات کو جنم دیتی ہے۔ جو ہر سوچنے والے انسان کے ذہنوں میں موجود ہے۔ مگر سرکاری خوف کی وجہ سے پوچھ نہیں سکتے۔ سب سے پہلے تو پولیس والوں نے اس خاندان کو غلط تفتیش کر کے برباد کر دیا۔ کیا کسی حکومتی ادارے نے ان ظالموں کے خلاف کسی قسم کی کوئی کاروائی کی۔ جواب مکمل طور پر نفی میں ہے۔ پھر جس جیل کے

عملہ نے رانی بی بی کی اپیل، دس بارہ سال تک دائر نہیں کی، کیا ان پر مجرمانہ غفلت کا کوئی مقدمہ بنایا گیا۔ مقدمہ تو دور کی بات، انکے خلاف قانون کے مطابق کوئی کاروائی ہوئی۔ اسکا جواب بھی بھرپور نفی میں ہے۔ پھر جو ڈیوٹی جج، ہر ماہ جیل کے سرکاری دورے پر آتے رہے۔ انکی غفلت کی وجوہات کیا تھیں۔ کیا ہائیکورٹ یا سپریم کورٹ پر یہ واجب نہیں تھا کہ وہ ایک بے گناہ لڑکی کی غربت اور بے بسی کو نہ دیکھنے والے ڈیوٹی ججز سے کم از کم پوچھ لے، کہ انہیں جیل میں رانی بی بی کیوں نظر نہیں آئی۔ ہاں ایک اور بات کیا معزز عدالت عالیہ نے اس جج کی قانونی اہلیت پر نکتہ چینی کی۔ جس نے ناکافی شہادتوں پر رانی بی بی کو عمر قید سنادی۔ جناب، ایسا کچھ نہیں ہوا اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ معاملہ ایسے ہی چلتا رہیگا۔ عرض کرونگا کہ پاکستان International Covenant on Civil and Political Rights پر دستخط کر چکا ہے۔ اسکے تحت اگر کسی انسان کو غلط سزا ہوتی ہے تو اسے حکومت بھرپور معاوضہ دینے کی پابند ہے۔ مگر قیامت تو یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح کے معائدے پر دستخط کرنے کے باوجود پاکستان میں اس پر کسی قسم کی قانون سازی نہیں ہوسکی۔ مگر اب، اس بے عملی پر آواز اُٹھائی جارہی ہے۔ شائد کوئی سن لے۔ شائد کوئی مظلوم، جیل میں سڑنے سے بچ جائے۔ مگر اسکا امکان بہت کم ہے۔ یا شائد ہے ہی نہیں۔

عرض کرونگا کہ ہمارے میڈیا نے بھی رانی بی بی کے ساتھ ہونے والے ظلم پر بھرپور آواز نہیں اُٹھائی ہے۔ انہیں اس بات میں تو دلچسپی ہے کہ آج کس سیاستدان نے چھینک ماری ہے۔ یا کونسے سیاسی جغادری نے کتنی جاہلانہ بات کی ہے۔ کس نے اپنے بال اور مونچھ مزید سیاہ کر لیے ہیں۔ مگر اس میڈیا میں رانی بی بی جیسی غریب عورت کی بات کرنے والا کوئی سورما سامنے نہیں آیا۔ ہاں، اگر کسی ادارے نے آواز اُٹھائی ہے تو وہ وکیل صاحب، جس نے بلا معاوضہ اس غریب عورت کا کیس لڑا اور بے جا قید سے رہائی دلوائی ہے۔ کیا وکیل صاحب اور انکی تنظیم کو چودہ اگست پر سول ایوارڈ نہیں ملنا چاہیے تھا؟ کیا عدالت عظمیٰ کو رانی بی بی کے ساتھ ہونے والے ظلم کو ''ٹیسٹ کیس'' نہیں بنانا چاہیے تھا۔ کیا کوئی، اس پورے گلے سڑے نظامِ عدل میں رانی بی بی کیلئے قیامت برپا ہونے والے ظلم کے خلاف حق، انصاف اور انسانی حقوق کے تحفظ کی تلوار اُٹھائے گا۔ شائد کبھی نہیں۔ غریب اور لاچار کیلئے اس اندھیرے ملک میں کسی کے پاس وقت نہیں ہے؟

راؤ منظر حیات